عطاالحق قاسمی اور طنز و مزاح (ایک مطالعہ)

ہارون
Haroon
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.
عائشہ اکبر
Ayesha Akbar
M.Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Ata-ul-Haq Qasmi is a prominent figure in satirical and humorous writings. He is known as a trend setter in this scholastic and drastic field. Inspite of being a great fiction writer, diplomatist, educationist, columnist, dramatist and poet, he is aslso a devoted satirist and humorist of Urdu. In this research article an effort has been made to enhance the dignity of splendid work of this great artist. We should keep in mind that by acknowledgement of literary work of this rank, we promote good ethical, social and cultural values in a society. Therefore it is a key point to appreciate the writers of this kind for flourishment of aesthetic values in our part of this planet.

اُردو ادب میں مزاح نگاری کی روایت کا باقاعدہ آغاز داستانوں سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ''داستان امیر حمزہ'' کو اولیت حاصل ہے اور یہ سلسلہ ''فسانۂ عجائب'' تک اپنے گہرے نقوش سمیت دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان داستانوں کے مزاح میں سوقیانہ پن، تمسخر، ابتذال اور پھکڑ پن کی آمیزش بہت زیادہ تھی۔ اُردو نثر میں معیاری مزاح نگاری کا آغاز ''مکاتیبِ غالب'' سے ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد اور پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اپنے ناولوں میں معیار کے لحاظ سے ایک اچھا مزاح تخلیق کیا۔ ''اودھ پنچ'' اور دیگر پنچ اخبارات نے مزاح کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا اور یوں طنز و مزاح کی قوسِ قزح نے اپنے مخصوص رنگ بکھیرے۔ قیامِ پاکستان تک طنز و مزاح نے خود انحصاری کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ جدید دور میں بھی مزاح نگاروں کی ایک خاصی طویل فہرست نظر آتی ہے جس میں محفوظ علی بدایونی، مہدی افادی، خواجہ حسن نظامی، پریم چند، میاں عبدالعزیز فلک پیما، نیاز فتح پوری، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، عبدالمجید سالک، حاجی لق لق، پطرس بخاری، سید امتیاز علی

تاج، شوکت تھانوی، کرنل محمد خان، سید ضمیر جعفری، شفیق الرحمٰن، ابنِ انشا، محمد خالد اختر، مشتاق احمد یوسفی، ابراہیم جلیس، ڈاکٹر تنویر حسین اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جدید دور کے مزاح نگاروں کی اس فہرست میں اگر عطاالحق قاسمی کا نام شامل نہ کیا جائے تو یہ فہرست ادھوری رہے گی۔ قاسمی کے ہاں مزاح کے تمام اسالیب مع جملہ محاسن کا مشاہدہ ان کی تصانیف کے ذریعے سے کیا جا سکتا ہے۔ ان محاسن میں بذلہ سنجی، ذکاوت، نُدرتِ خیال، شگفتگی، برجستگی، شیفتگی، بات سے بات نکالنا، قولِ محال، صنعتوں کا استعمال، صورتِ واقعہ، مزاحیہ کردار، لفظی بازی گری اور محاورات سے چھیڑ چھاڑ شامل ہیں۔ غرض یہ کہ قاسمی کی جس سمت کو بھی ٹٹولا جائے بہترین مزاحیہ اسالیب دیکھنے کو ملتے ہیں۔

عطاالحق قاسمی دورِ حاضر میں اُردو مزاح نگاری کے حوالے سے ایک انتہائی معتبر نام ہے۔ قاسمی کے یہاں موضوعات اور اسلوبیاتی رنگوں کی قوسِ قزح اپنا ایک مخصوص اور منفرد مقام بنا چکی ہے۔ قاری کے لیے یہاں دلچسپیوں سے بھرپور میدانِ حشر ہے، جس میں مسکراہٹ، سنجیدگی، مزاح اور آفاقیت اپنا جوبن دکھا رہی ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں ''بلبلے''، ''وصیت نامے''، ''ہنسنا رونا منع ہے''، ''عطایئے''، ''شر۔ گوشیاں''، ''جرم ظریفی''، ''خند مکرر''، ''تجاہل کالمانہ''، ''ڈھول دھپا''، ''شوقِ آوارگی''، ''گوروں کے دیس میں''، ''دنیا خوب صورت ہے''، ''دلی دور است''، ''بارہ سنگھے''، ''مزید گنجے فرشتے'' اور ''ملاقاتیں ادھوری ہیں'' شامل ہیں۔ ان تصانیف کو ادبی حوالے سے کالم نگاری، شاعری اور سفرناموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

قاسمی صاحب ایک خاص نوعیت کی کالم نگاری کے موجد ہیں۔ اخباری کالم بہ عنوان ''روزنِ دیوار سے'' سے ان کی پہچان بنانے میں انتہائی کامیاب ٹھہرا۔ ان کی کالم نگاری ایک خاص اسلوبیاتی رنگ اور ڈھنگ رکھتی ہے۔ ان کے مخصوص طرزِ تحریر کے حوالے سے انتظار حسین رقم طراز ہیں:

> ''عطاء الحق قاسمی کے کالم اخبار کی فضا سے پھوٹتے نظر نہیں آتے، اس میں ایک رنگ کا اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ کالم اس طریقے سے اخبار کے بطن سے برآمد نہیں ہوئے جیسے سالک وحسرت کے کالم برآمد ہوتے تھے، یہ اس طرز پر سوچے اور لکھے گئے ہیں جس طرز پر پطرس بخاری نے اپنے مضامین لکھے تھے یا ہمارے دور میں مشتاق احمد یوسفی نے لکھے ہیں۔''(۱)

عطاالحق قاسمی کی کالم نگاری کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے شفیق الرحمٰن نے رقم کیا ہے: ''عطاء الحق قاسمی پاکستان کا آرٹ بکوالڈ ہے۔''(۲) آرٹ بکوالڈ کا پورا نام آرتھر بکوالڈ (Arthur Buchwald) تھا، وہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو نیویارک میں پیدا ہوا اور ۱۷ جنوری ۲۰۰۷ء میں واشنگٹن (امریکہ) میں فوت ہوا۔ انھوں نے بھی واشنگٹن پوسٹ میں طنزیہ اور مزاحیہ کالم نگاری کی اور پوری دنیا میں شہرت پائی۔ قاسمی صاحب کو ان سے حقیقتاً تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ ''ادب اور صحافت کے لیے فخر کی بات ہے کہ عطاالحق قاسمی ایسے لکھنے والے ان شعبوں میں موجود ہیں۔''(۳) ہمارے کھیتوں میں اگنے والی کپاس کے پھولوں کی طرح ہنستا ہوا کالم عطاء الحق قاسمی کے سوا شاید کسی نے نہیں لکھا۔''(۴)

کسی بھی سوسائٹی کے بنتے بگڑتے رویے، طنز ومزاح کی تخلیق میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ عموماً طنز ومزاح کا حربہ تعمیری مقاصد کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ غور وفکر کی بنیاد پر ہنسی اور طنز کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ مزاح نگار بات سے بات شروع کرتا ہے اور پھر ایک دوسرے سے موازنے کا طریقۂ کار استعمال کرتا ہے۔ یہیں سے مزاح نگار کی کئی حسیات میں

تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس کے گہرے مشاہدے کے پرت کھلنے لگتے ہیں۔ مشاہدے کی گہرائی اور گیرائی کی بدولت مزاح نگار اپنی تخلیقات کے محرکات کو خوب سمجھتا ہے۔

زندگی کی اُلجھنوں، پریشانیوں اور صدموں کو برداشت کرنے کے لیے مزاح نگاری ذہنی طور پر تیار رہنے کے لیے تحریک پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح طنز و مزاح معاشرے کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے عموماً ایک مثل ''ہنسو تو ساتھ ہنسے گی دنیا، بیٹھ اکیلے رونا ہوگا'' کا چلن معاشرتی زندگی میں نظر آتا ہے۔ یہاں بھی اس ٹھوس حقیقت کی ترجمانی کی گئی ہے کہ مزاح کے طفیل ایک انسان کا دوسرے انسان سے ناقابلِ شکست تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ہنسنے ہنسانے کو ایک متعدی بیماری سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہنسی ایک طرف تو انسانوں کے باہمی رابطے اور وابستگی کا سبب بنتی ہے تو دوسری طرف معاشرے کے مروّجہ قواعد و ضوابط سے انحراف کرنے والوں کو تمسخر کا نشانہ بناتی ہے۔ ہنسی کو بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ ہر اس شخص سے انتقام لیا جائے جو ضابطۂ حیات کے بندھنوں کا انکاری ہے۔ ارتقائی لحاظ سے ہنسی کو خفیف تبسم، مسکراہٹ اور قہقہے کے مدارج میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

طنز کا عمومی مفہوم تو یہی ہے کہ یہ انسان کے باطن میں موجود سچائی ہے اور یہ سچائی تلخی اور کڑواہٹ کے زہر بجھے نشتر کی مانند ہوتی ہے۔ یہ زہر ناکی ظرافت کی شیرینی سے کم کی جاتی ہے جس طرح حکیم کڑوی گولی کو میٹھے خول میں لپیٹ کر یعنی Sugar Coated بنا کر نگلنے کے لیے آسان بنا دیتا ہے۔ اگر صدائے حق بلند کرنے والا پُر سوز ہو تو بات میں تاثیر ہوگی اور اس طرح ظرافت طنز نگار کو خوش گلو بنانے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اگر طنز نگاری کی حدیں ظرافت و مزاح سے جدا راہ تلاش کر لیں تو صرف اندازِ بیان اور مقصد کا حصول پیشِ نظر رہ جاتا ہے۔ طنز نگار کے لیے حقیقت پسند اور صادق ہونا از حد ضروری ہے ورنہ وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ طنز کو بامقصد بنانے کے لیے مزاح کی بیساکھی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عطاالحق قاسمی اس حقیقت سے مکمل طور پر آشنا ہیں۔ ان کی تحریریں مزاح کے زیرِ اثر اپنے رنگ بکھیرتی ہیں۔ ان کے کالموں میں تمام تر فنی لوازمات کے ساتھ ساتھ جو بات غور و فکر کی طرف مائل کرتی ہے وہ ان کا طنز ہے۔ طنز درحقیقت ہر انسان کے دل کی پکار ہے۔ ایک ادیب کی طبیعت بہت حساس ہوتی ہے۔ وہ جب بھی معاشرے میں کوئی ظلم، بے اعتدالی یا معاشرتی قواعد و ضوابط سے انحراف دیکھتا ہے تو وہ اپنے قلم کے ذریعے پر زور نغمۂ حق بلند کرتا ہے۔ گویا جب ادیب اپنے حساس دل اور بیدار دماغ کے سبب دنیا کے حالات اور انسانی معاشرے کی کج رویوں پر کُڑھنے کی وجہ سے خون کے آنسو بہاتا ہے تو معاشرتی اصلاح و فلاح کی خاطر اظہار کا ذریعہ تلاش کرتا ہے۔ اظہار کا یہ مؤثر ذریعہ اور راستہ، مزاح میں لپٹی طنز نگاری کہلاتا ہے۔

عطاالحق قاسمی کے کالموں میں علامتی ویژن کے بجائے ایک طرح کی Suggestion ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذہانت کا اسیر ہونے کے بجائے قاری کی ذہانت پر انحصار کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کو لطف لے لے کر لکھتے ہیں۔ ان میں بڑی بڑی دانش ڈھونڈتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں زندہ گوشت پوست کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے تخیل اور مشاہدے کو فن کی تخلیق کے لیے استعمال میں لاتے ہیں۔ ان کی تحریریں شاعرانہ مزاج اور فکری ترفّع کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، قاسمی کی کالم نگاری کے متعلق، ڈاکٹر فوزیہ چودھری کے حوالے سے رقم کرتے ہیں:

> ''موضوعات کا تنوع عطا کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ اس لحاظ سے بھی ایک منفرد مزاح نگار ہیں کہ ان کے قلم نے زندگی کے کسی شعبے کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کے مزاح کے بارے

میں اگر یہ کہا جائے کہ ان کا مزاح عوامی مزاح ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کیونکہ مذہب و سیاست کی ریاکاریاں، معاشرت کی بے ڈھنگیاں، سیاسی لیڈروں کی وعدہ خلافیاں، ماحول اور تہذیب وتمدن کی بے اعتدالیاں، کچھ بھی تو ان کے قلم کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔''(۵)

کالم نگاری اور مزاح نگاری بہ ظاہر دو مختلف میدان نظر آتے ہیں کیوں کہ کالم نگاری میں جذباتیت کے ساتھ ساتھ تیز آنچ کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ مزاح نگار سہج پکے سو میٹھا ہو کا کلیہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مگر قاسمی صاحب نے ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال اور توازن کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔ قاسمی کا مشاہدہ اور تخیل لاجواب ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ پس ماندہ معاشروں میں جہاں بہت سی کج روِیاں موجود ہوتی ہیں وہاں تمام شعبے بھی اسی چلن سے ضرور متاثر ہو جاتے ہیں۔ صحافت کا شعبہ کسی بھی معاشرے میں حق وانصاف کی بالادستی اور حق پرستی کا نمائندہ ہوتا ہے مگر ہمارے ہاں تمام اخلاقی اقدار دم توڑتی جا رہی ہیں اور کچھ صحافی اپنے مقام اور مرتبے سے گر کر اس شعبے کے لیے بدنامی کا سبب بن رہے ہیں۔ ایک صحافی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جانِ پدر زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے جھوٹ کے ساتھ گزارا کرنا پڑتا ہے۔ مصلحتوں سے کام لینا ہوتا ہے اور ارد گرد کی فضا دیکھ کر قدم اٹھانا ہوتے ہیں، تم اپنی غزلوں میں کیسے کیسے خوفناک اشارے موجودہ نظام کے خلاف کرتے ہو، خود کو منصور کہتے ہو، انا الحق کا نعرہ لگاتے ہو، دار ورسن کی بات کرتے ہو، مگر کیا میں نے کبھی تمھیں اس سے روکا ہے؟ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ تم اپنی شاعری میں اپنے کردار کے حوالے سے اس سے بھی زیادہ دعوے کرنا چاہو تو ضرور کرو لیکن حکامِ بالا سے بھی بنا کر رکھو اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو، ان کے بچوں کے عقیقے میں شرکت کرو، چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھاؤ، اگر وہ اس موقع پر تمھارے مقام اور مرتبے کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے کوئی ''شرارت'' کر بیٹھیں تو ان کی نیپی بدلنے کے لیے بیگم صاحبہ کو زحمت نہ دو۔''(۶)

قاسمی صاحب کی حساس طبیعت نے ہمیشہ انھیں بے چین کیے رکھا۔ معاشرے میں موجود جہالت اور شعور کی کمی ہمیشہ کچھ لکھنے کے لیے خاص محرک ثابت ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ معاشرے میں پائے جانے والے ان گنت مسائل کا سبب بعض اوقات وہ لوگ بھی ہیں جو معاشرے میں اعلیٰ مقام کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ ایک معاشرہ جب اخلاقی طور پر زوال کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کا تنزل زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ڈاکٹر مسیحائی کے درجے کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ سیاست دان، سیاست کو عبادت اور خدمت کے بجائے تجارت اور کاروبار بنا دیتے ہیں۔ صحافت کا شعبہ جو حق اور سچ کا امین سمجھا جاتا ہے، اس کا مقصد بلیک میلنگ کے توسط سے دولت کے انبار لگانا بن جاتا ہے۔ اقربا پروری، کرپشن، جھوٹ، بددیانتی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ہیرا پھیری، غبن اور فراڈ کرنے والوں کو سب کے سامنے بے نقاب کرنے کے بجائے ان سے ساز باز کر کے مال بٹورنا، صحافی کا مقصدِ حیات ٹھہرتا ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس شعبے سے وابستہ لوگوں کی اکثریت اپنے فن میں ناپختہ ہے اور ان لوگوں نے صحافت کو جُز وقتی (Part Time) کاروبار کی حیثیت سے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ خود کو ہرفن مولا (Jack of All Trades) سمجھتے ہیں اور نتیجتاً کسی بھی شعبے میں فنی پختگی حاصل نہیں کر پاتے۔ ایسے لوگ صحافت

کے لیے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوتے ہیں۔ قاسمی صاحب نے اس طرح کے لوگوں کا نقشہ اپنے مخصوص انداز میں یوں کھینچا ہے:

''ڈاکٹر اللہ رکھا مرحوم حکمت اور سینیٹری کے کام کے علاوہ ایک اخبار میں کالم بھی لکھتے تھے، وہ خود کو کالم نگار کہتے تھے مگر لوگ انھیں ''گالم نگار'' قرار دیتے تھے کیوں کہ ان کے ''گالم'' میں گالیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا اور یہ گالیاں وہ انھیں نکالتے تھے جو ان کی حکمت اور سینیٹری کے کاموں میں مہارت سے انکاری ہوتے تھے اور یا پھر ان کو جو ان کی کالم نگاری کو ''گالم نگاری'' قرار دیتے تھے۔''(۷)

مغربی ممالک اور بالخصوص امریکہ بادشاہ کے پاکستان کے ساتھ گرگٹ کی طرح بدلتے تعلقات آج ہر کس و ناکس پر عیاں ہو چکے ہیں۔ پڑھا لکھا شخص ہو یا ان پڑھ، عام ہو یا خاص، سیاسی ہو یا مذہبی، ہر ایک اس کی چالوں سے آگاہ اور اس کے پینتروں سے باخبر ہے۔ مصنف نے اس کے کردار اور پالیسیوں کو آشکارا کیا ہے۔ قاسمی نے ملتِ اسلامیہ کے حکمرانوں کے دوہرے معیار پر طنز کیا ہے کہ یہ مخصوص طبقہ اپنے ملک سے زیادہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر امریکہ کا حواری بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اس طبقے کی نگاہ میں ملکی اور ملی مفاد ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ ان حکمرانوں کا اپنے ملک و مذہب کے ساتھ تعلق مشکوک ہو چکا ہے۔ گویا دین و مذہب کی حرمت انھی کے ہاتھوں نیلام ہو گی۔ یہ طبقہ امریکہ اور مغرب کو خوبیوں کا مجموعہ جبکہ مشرق اور یہاں کی عوام کو خامیوں کا مرکز گردانتا ہے حالاں کہ یہ سب کچھ اس مفاد پرست حکمران طبقے کی گھٹیا پالیسیوں کے سبب ہوا ہے۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کے سرپرست امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش کے ساتھ قاسمی صاحب اپنی فرضی ملاقات کا احوال کچھ یوں رقم کرتے ہیں:

''جنابِ صدر! آپ تیسری دنیا کے حکمرانوں، سیاست دانوں اور دانش وروں کی دائی ہیں چنانچہ آپ سے کسی کا پیٹ نہیں چھپا ہوا۔ لہٰذا آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں نے بظاہر تلخ و ترش باتیں کیوں کہیں؟'' بولے میں کچھ کچھ سمجھ گیا تھا مگر آپ پھر بھی کھُل کر اپنا مدعا بیان کریں۔'' میں نے کہا ''جناب! جو اصل خواہش ہے وہ تو میں جانتا ہوں پوری نہیں ہو سکتی یعنی آپ مجھے پاکستان میں سی آئی اے کا ایجنٹ نہیں بنا سکتے۔ کیوں کہ یہ بہت اونچے جوڑوں کا معاملہ ہے۔ آپ مجھے صرف اپنی گڈ بکس میں رکھیں۔ خادم کی آل اولاد آپ کا یہ احسان یاد رکھے گی۔ میں اپنے کالموں میں امریکہ پر جو تھوڑی بہت تنقید کرتا ہوں یا آپ کے سامنے شوخی کا مظاہرہ کرتا ہوں تو یہ سب کچھ اپنے نرخ بالا کرنے کے لیے کرنا پڑتا ہے۔'' صدر بش نے کہا میں آپ کی بات سمجھتا ہوں۔ تنقید کی یہ سہولت ہم نے پوری دنیا میں اپنے لے پالک حکمرانوں کو بھی دے رکھی ہے۔''(۸)

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم نے اپنی سرزمین کی آزادی اور حرمت کا سودا کر لیا ہے۔ ہمارے قول و فعل میں موجود تضاد ایک تاریخ رقم کر رہا ہے۔ یہ وطن سے محبت اور ہماری غیرت و حمیت کو ناپنے کی کسوٹی بن گیا ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہ بنتی جا رہی ہے کہ ہم نے اپنی پاک سرزمین کے لیے کتنا اور کیسا کردار ادا کیا؟ قاسمی صاحب نے تاریخی شواہد جمع کیے جو مسلسل اور بتدریج ہمارے اجتماعی کردار کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کا قلم ہماری بے حسی پر طمانچے رسید کرتا ہے۔ وہ بڑی بے رحمی کے ساتھ معاشرے

کے ہر طبقے اور کردار کے چہرے سے اس کی مصنوعی خوب صورتی کا پردہ ہٹا کر اس کا اصل اور مکروہ چہرہ دکھاتا ہے۔ جب وہ اس چہرے سے نقاب کو اُلٹتا ہے تو وہ سب کو اپنی پکار سے اس عمل میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ وہ ان بہروپیوں کا اصل چہرہ دکھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''تم اپنے رہنماؤں پر نظر ڈالو۔ ماشاءاللہ نوے نوے سال کی عمر میں لمبے سفر کرتے ہیں، گٹھ جوڑ کرتے ہیں، ان کا نظامِ ہضم اتنا پرفیکٹ ہے کہ آدھا ملک ہضم کر گئے ہیں اور باقی ماندہ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ رہنماؤں میں سے ایک آدھ کی صحت بہتر نہیں باقی تو ماشاءاللہ ریسلنگ چیمپیئن شپ کے مقابلے میں بھیجے جا سکتے ہیں۔ سو میرے عزیز اگر تم نے محبت کرنا ہی ہے تو کسی انسان سے نہ کرو، اپنے مفادات سے کرو، اقتدار سے کرو اور پھر دیکھو تمھاری ناتوانی کس طرح طاقت میں بدلتی ہے اور ہاں اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے پورے جثّے سمیت خود کو با آسانی ''بیمارِ محبت'' بھی کہلا سکتا ہے اور صرف کہلا ہی نہیں سکتا، اسے ''بیمارِ محبت'' ماننے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔'' (۹)

قاسمی صاحب کے فن کا ارتقا زمین سے آفاق تک رفتہ رفتہ بتدریج ہوا ہے۔ اس طرح وہ مقامیت سے آفاقیت تک کا سفر طے کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں ٹھہراؤ، تحمل اور تجربے سمیٹنے اور تجربے بانٹنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ قاسمی کے فن کا مزاج پختہ ہے اور وہ تیز موسموں کی شدت بھی برداشت کر سکتا ہے۔ بہت سے تخلیق کار ابتدا ہی سے آفاق کو اپنا مسکن سمجھتے ہیں اور ان کا فن زمین پر قدم رکھنے کے لیے جگہ کا متلاشی رہتا ہے۔ ایسے فن کار خلاؤں میں بسیرا کرتے ہیں۔ ان کا انسانوں اور زندگی سے تعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ جب کہ قاسمی صاحب نے اپنی اور اپنے فن کی جڑیں اس معاشرے میں پیوست کر رکھی ہیں۔ اس نے پاکستان اور پاکستانیوں کو غیر جانبداری سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ قاسمی صاحب کی تحریر پڑھنے کے بعد قاری خود بخود اپنا گریبان ٹٹولنے لگتا ہے۔ ہماری قوم کا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم ایشو کو نان ایشو اور نان ایشو کو ایشو میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس سے کسی قوم کے ذہنی زوال کی عکاسی ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ ہمارا کردار اس زوال کی نحوست کا عادی ہو جاتا ہے اور ہمارا کردار ہر سطح پر مشکوک، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہو جاتا ہے۔ اس طرح بے چینی، اجتماعی بے یقینی، خوفزدگی اور یاسیت کی فضا گھٹن اور مفعولیت پیدا کر دیتی ہے۔ ہماری بے ضمیری کا پردہ وہ یوں فاش کرتے ہیں:

> ''سائنسی تحقیق کے مطابق رونے دھونے سے دل کا غبار دھل جاتا ہے اور انسان ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ جیسے مشرقی پاکستان کی ذلت آمیز علیحدگی پر رونے دھونے کے بعد ہماری پوری قوم ہشاش بشاش نظر آنے لگی ہے۔'' (۱۰)

عطاالحق قاسمی نے مزاح کی بنیاد گھر کے آنگن سے جڑے رشتوں کے رویوں، طرزِ عمل، دکھوں اور خوشیوں پر رکھی ہے۔ حالات کے جبر اور گھٹن کی فضا میں جب ان کا قلم طنز میں شدت لانا چاہتا ہے تو وہ مزاح و ظرافت کی دھیمی آنچ سے اس تلخی کی شدت کو کم کر دیتے ہیں۔ قاسمی صاحب بلندی پر کھڑے ہو کر وعظ و نصیحت کے قائل نہیں بلکہ وہ دوسروں کے ساتھ کھڑے ہو کر خود کو بھی طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس طرح ان کے فن میں آفاقیت، جذبے کی سچائی اور روحِ اخلاص سمٹ آتی ہے۔ قاسمی کی تحریروں کے مطالعہ سے ان کی آپ بیتی اور شخصیت و کردار کی پرکھ آسان ہو جاتی ہے۔ قاسمی کی مکالمہ نگاری میں برجستگی اور تخلیقی

حسن ہے۔ غیر ملکی کرداروں کے مکالمات رقم کرتے ہوئے انھوں نے غیر ملکی زبانوں کے الفاظ کو مقامی بولیوں کے ساتھ برتا ہے۔

قاسمی صاحب نے زبان و بیان کی رنگا رنگی کے لیے تخیل، مشاہدہ، جزئیات نگاری، منظر کشی اور دیگر لوازمات کو ایک مشاق فن کار کی حیثیت سے برت کر ادبی دنیا میں اپنا مقام پیدا کیا ہے۔ انھوں نے کہانیوں اور انسانوں کی سنجیدگی کو بھی مزاح اور ظرافت سے نیا مزاج اور ذائقہ دیا ہے۔ وہ سفرناموں، کالموں اور خاکوں میں مزاح و ظرافت کی چاشنی کی وساطت سے اپنا مقصدِ حیات حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرے ہیں اور ان کا یہ اندازِ فن نئے تخلیق کاروں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، پسِ ورق: عطائیے، از عطاالحق قاسمی، لاہور: نستعلیق مطبوعات، ۲۰۰۹ء

۲ شفیق الرحمن: فلیپ: عطائیے، از عطاالحق قاسمی

۳۔ ابنِ انشا، پسِ ورق: عطائیے، از عطاالحق قاسمی

۴۔ ضمیر جعفری، سید، فلیپ: عطائیے، از عطاالحق قاسمی

۵۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، اُردو نثر میں طنز و مزاح، لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۴ء، ص:۵۳۶

۶۔ عطاالحق قاسمی، وصیت نامے، لاہور: نستعلیق مطبوعات، ۲۰۰۹ء، ص:۶۱۔۶۰

۷۔ ایضاً، ص:۱۷۲

۸۔ ایضاً، ص:۴۹۔۱۴۸

۹۔ عطاالحق قاسمی، عطائیے، ص:۶۵۔۶۴

۱۰۔ عطاالحق قاسمی، پیش لفظ: ہنسنا رونا منع ہے، مشمولہ: مجموعہ، لاہور: نستعلیق مطبوعات، ۲۰۱۱ء، ص:۲۴۵

☆......☆......☆